

گزشتہ نصف صدی سے امت کے زوال کا سفر (حصہ دوم)

ایک تاریخ ساز واقعہ انقلاب ایران ہے، صدیوں سے جاری بادشاہت کو اکھاڑ پھینکا گیا، نہ صرف ایران بلکہ عرب و مسلم ممالک کو بھی متاثر کیا، وہ بھاری قیمت ادا کر کے خود کو مشرق وسطیٰ کا ایک اسٹیک ہولڈر ثابت کرنے میں لگا ہوا ہے۔ ترکی بھی ایک مضبوط معاشی قوت بن کر ابھرا ہے، خطے میں اس کا کردار نمایاں ہے، امت کے مظلومین کا ترجمان بنا ہے اور اپنی عظمت رفتہ کی بحالی کے لیے کوشاں ہے، اس کے لیے بھی پاکستان جیسے مسائل پیدا کیے جا رہے ہیں۔

ہم نے سب کی خدمت کی، مگر کسی کے لیے بھی قابل اعتماد نہ رہے، غیر مشروط خود پسردگی نے منفی نتائج دیے۔ صدر ٹرمپ تمام سفارتی آداب سے ماوراء ایک جذباتی اور زبان دراز شخص ہیں، وہ ٹویٹ کے سلطان ہیں۔

اسی دوران امریکہ نے عراق پر 2003 میں دوبارہ حملہ کر کے صدام حکومت کو ختم کیا اور بالآخر انہیں سزائے موت دے دی، تباہی و بربادی کے بعد اس نے ملت جعفریہ کے غلبے پر مشتمل اپنے زیر نگین حکومت قائم کی۔ 2011 میں لیبیا میں خانہ جنگی شروع کی گئی اور آخر کار قذافی کی حکومت کو ختم کر کے نہیں قتل کر دیا گیا، لیبیا میں بے چینی آج بھی موجود ہے۔ عرب بہار، مصر میں اخوان کی حکومت کا قیام، پھر سعودی عرب کی مالی اعانت اور امریکہ کی آشیر باد سے اُن کا خاتمہ ایک مستقل موضوع ہے۔ اسی دوران سعودی عرب نے امریکہ کی آشیر باد سے بشار الاسد کی حکومت کو ختم کرنے کے لیے مجاہدین کے گروپ تشکیل دیے، اس طویل جنگ کے نتیجے میں شام کھنڈرات میں تبدیل ہو گیا، مسلمانوں کا مجموعی جانی نقصان دسیوں لاکھ ہے، بشار الاسد کی حکومت تاحال قائم ہے، روس، ایران اور ترکی بھی اپنے اپنے مفادات کے تحت اس قضیے کا حصہ بن چکے ہیں۔ داعش امت کے لیے ایک الگ ابتلا ہے، جو غلبہ اسلام کے نام پر مسلمانوں کو مار رہے ہیں۔ امریکہ اور روس اپنی مفاداتی جنگ شام کی سرزمین پر لڑ رہے ہیں، البتہ تباہی صرف اہل شام کی ہو رہی ہے، مسلم ممالک منقسم ہیں، کوئی امریکہ کا طرفدار اور کوئی روس کا حامی ہے۔ بچپن میں ایک لطیفہ سنا تھا: ”ایک بیگم صاحبہ نے اسکول ٹیچر کو بتایا کہ میرا بچہ برا ڈھین ہے، اگر یہ غلطی کرے تو اس کے برابر والے طالب علم کو تھپڑ مار دیا کریں، یہ خود سمجھ جائے گا۔“ سو دونوں حریف ایک دوسرے پر غصہ اتارنے کے لیے مسلمانوں کو مارے جا رہے ہیں، اس ابتلا کا انجام کیا ہوگا، عالم الغیب کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے، ناصر علی سرہندی نے کہا:

شد پریشان خواب من، از کثرت تعبیر ہا
ماہرِ گردِ خویش می گردیم چوں گردِ اہما

ز اختلافِ این و آن، سررشتہ را گم کردہ ام
گوہرِ چوں خود شناسی، نیست در بحر وجود

اختلاف کفر و دین، آئینہ دار وحدت است

خیمہ افلاک، بے چوب و طناب استادہ است

بے نیاز از بحر گرد و قطرہ، چون گوہر شود

لفظ گرد در تفاوت، صورت و معنی یکیت

اہل ہمت را نباشد تکیہ بر بازوئے کس

عزت ارباب معنی، نیست از نام پدر

ترجمہ: ”لفظی ہیر پھر میں پڑ کر میں نے اپنے کلام کا مقصود ہی گم کر دیا اور کثرتِ تعبیر کے سبب میرا خواب ہی بکھر گیا۔ چونکہ بحر وجود میں خود شناسی سے زیادہ قیمتی موتی کوئی نہیں ہے، اس لیے میں گرداب کی مانند اپنی ہی ذات کے گرد چکر لگا رہا ہوں۔ لفظوں میں اگرچہ فرق ہوتا ہے، صورت و معنی تو ایک ہی ہے، کفر اور دین کا اختلاف بھی وحدت کا آئینہ دار ہے (کیونکہ چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں)۔ اہل عزیمت و استقامت کو دوسروں پر انحصار نہیں کرنا چاہیے (یعنی خود اعتمادی ہی انسان کا کمال ہے)، دیکھو! افلاک کا خیمہ کسی ستون اور طناب کی رسی کے ظاہری سہارے کے بغیر (اللہ کی قدرت سے) قائم ہے۔ اہل کمال کی عزت نسبی تفاخر پر نہیں ہوتی (ذاتی خوبیوں پر ہوتی ہے)، قطرہ جب سمندر سے بے نیاز ہو کر اپنی خوبی پر انحصار کرتا ہے، تو (صدف کے منہ میں جا کر) قیمتی موتی بن جاتا ہے۔“

متضاد تعبیرات آج بھی امت کا مسئلہ ہیں، آپ کسی بھی دن کا اخبار اٹھا کر دیکھیں، تو آپ کو ایک ہی چیز کی کئی تعبیریں ملیں گی، ہر ایک اپنی تعبیر کو حرف آخر سمجھے گا، کسی کے نزدیک کوئی شخص پانی ہے، تو دوسرے کے نزدیک اُس کی ذات پاکیزگی کردار کی کسوٹی ہے، سو گزشتہ نصف صدی میں رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں ہماری تعبیرات اپنی اپنی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سوویت یونین کو افغانستان میں عبرت ناک شکست ہوئی، لیکن کیا ہم فاتح قرار پائے، فتح کے ثمرات ہم نے سمیٹے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ قربانیاں مجاہدین نے دیں، دسیوں لاکھ بے گھر اور در بدر ہوئے، لاکھوں جانیں نذر ہوئیں، لیکن فاتح اور واحد سپر پاور تو امریکہ بن گیا، اس فتح کا تاج اُس نے اپنے سر پر سجالیا۔ جہاد افغانستان نے مسلمانوں کے اندر جذبہ جہاد کو زندہ کیا، لیکن پھر جہاد اور فساد و خلط ملط ہو گئے، اس کے ذہن ساز عرب اسکا لرتھے، وہ مختلف خطوں کے معروضی حالات، نفسیات اور علمی ترجیحات کا صحیح ادراک نہیں رکھتے تھے، بعد میں امریکہ نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ افغانستان پر یلغار کی اور افغانستان کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا تھا۔ امریکہ اپنے مقاصد حاصل کرنے میں ناکام رہا، تاحال وہ نہ افغانستان میں امن قائم کر سکا، نہ پورے ملک کا کنٹرول حاصل کر سکا اور نہ ہی مستحکم حکومت قائم کر سکا، حال ہی میں ٹرمپ نے وہاں کے معدنی ذرائع سے جنگی مصارف وصول کرنے کی اشارتات کی ہے، لیکن یہ منزل بہت دور ہے۔ لیکن کیا ہم کامیاب رہے، افغانستان پر ہم نے حقیقی اسلامی حکومت قائم کر لی، اُسے امن کا گہوارہ بنا دیا، اس کا جواب بھی نفی میں ہے، سو امریکہ کے خلاف کامیابی منفی معنوں میں ہے۔ یمن کا قضیہ بھی معلق ہے، شام کا مستقبل بھی غیر یقینی ہے، البتہ تاحال بشار الاسد کھنڈرات پر حکومت کر رہا ہے، اُسے مکمل شکست نہیں دی جاسکی اور کھوئے ہوئے علاقوں پر رفتہ رفتہ اس کا قبضہ بحال ہو رہا ہے۔ فلسطین کے مسئلے سے اب عالم عرب تقریباً غیر متعلق ہے، ہر ایک کو اپنی پڑی ہے، ہر ایک کے اپنے مقاصد ہیں اور اب اسرائیل کسی نہ کسی درجے میں بعض عرب ممالک کے لیے قابل قبول، قابل برداشت اور قابل تسلیم ہے۔ کشمیر کو تو پوری امت نے نہ کبھی اپنا مسئلہ بنایا اور نہ ہی اُسے وہ حیثیت دی جو ماضی میں فلسطین کو حاصل رہی ہے۔ پہلے القاعدہ اُمّ المجاہدین تھی، پھر اُس کے بطن سے داعش نے جنم لیا۔ لیکن مقام حیرت یہ ہے کہ یہ سارے مجاہدین مسلمانوں ہی کو مارتے رہے اور انہی کی لاشوں پر اپنی خلافت کے تاج سجاتے رہے۔ حال ہی میں سعودی ولی عہد محمد بن سلمان نے بعض انکشافات کیے اور پاکستان کے چیف آف آرمی اسٹاف نے

جہاد افغانستان کو قومی غلطی سے تعبیر کیا اور اُس سے سبق سیکھنے کی طرف اشارہ کیا، اہل اقتدار کی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں۔

ہم نے یہ پس منظر اس لیے بیان کیا ہے کہ ہمارے اہل فکر و نظر موجودہ مشکلات سے عزت و وقار کے ساتھ نکلنے اور مقام افتخار حاصل کرنے کے لیے کوئی طویل المدت حکمت عملی طے کریں۔ ہمیں معلوم ہے کہ اسلحے کی برتری جذبہ جہاد کا بدل نہیں ہو سکتی، لیکن اسلام و مسائل و اسباب سے دست کش ہونے اور گرد و پیش کے معروضی حالات سے آنکھیں بند کرنے کی تعلیم بھی نہیں دیتا۔ کیا آئندہ پچاس سال بھی امت مسلمہ بنی اسرائیل کی طرح وادی تیرہ میں سرگرداں رہے گی یا دانشمندی سے کام لیتے ہوئے کوئی قابل عمل حکمت عملی وضع کرے گی۔ جذبہ جہاد یقیناً قابل قدر ہے، نعمت بے بدل ہے، لیکن کیا ہمیں آنکھیں بند کر کے مجاہدین کی قیمتی جانیں خطرات میں جھونک دینی چاہئیں، کیا مسلمانوں کے خون سے ابھی تک زمین کی پیاس نہیں بجھی، کیا ان اندوہ منظر سے چشم فلک ابھی تک سیر نہیں ہوئی، کیا ان جذبوں کو ہم کوئی مثبت رخ نہیں دے سکتے کہ اس کی تعبیر ہمیں تابناک مستقبل کی صورت میں ملے، ماضی قریب میں ”الاخوان المسلمون“ کا عروج و زوال بھی ہمارے سامنے ہے۔ سو وقت آگیا ہے کہ ہم نفع و نقصان کا تخمینہ لگائیں، اسلام اور ملت اسلامیہ نے اس عرصے میں کیا کھویا اور کیا پایا، عالم اسلام کے لیے امکانات بڑھے یا دائرہ اثر سمٹا چلا گیا، ہم ستاون ممالک کو منظم کر کے ایک اجتماعی قوت میں ڈھال سکے۔ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی میں ہم نے معاصر دنیا کو چیلنج کرنے یا اُن کے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کیا۔ ہم نے کئی ملین جانیں قربان کیں، آخرت کے اعتبار سے تو شہید اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دے کر سرخرو ہو جاتا ہے اور اخروی نعمتوں کا حق دار بن جاتا ہے، لیکن کیا ان عظیم شہادتوں کو ہم نے دنیاوی نتائج کے اعتبار سے کامیابیوں میں ڈھالا۔ عہد رسالت اور عہد صحابہ سے لے کر آج تک اسلام کی تاریخ شہادتوں کی داستانوں سے معمور ہے، لیکن دنیا نے ان کے نتائج و ثمرات بھی دیکھے ہیں، اسلام کو اللہ کی زمین پر غلبہ پاتے ہوئے دیکھا ہے، مسلمان ایک وقت میں دنیا کی سپر پاور بن گئے، کیا ہمارے پاس ان کامیابیوں کا کوئی سوواں یا ہزارواں حصہ بھی ہے۔ ریاض میں منعقدہ امریکہ اسلامک کانفرنس کے نتیجے میں امریکہ نے سعودی عرب، امارات اور قطر میں تناؤ پیدا کیا، پھر باری باری دونوں کو اپنے چرنوں میں بلایا، سینکڑوں ارب ڈالر کے معاملات طے کیے اور اب ہدایت کی ہے کہ بس! بہت ہو چکا، اچھے بچے بن جاؤ۔ ٹرمپ نے شام پر ”Nice, New & Smart“ Missilہ پھینکنے کی دھمکی دی تھی، اس پر عملدر بھی آمد ہوا، 103 ٹوماہاک میزائل داغے، ان میں سے باختلاف روایات دس سے ستر میزائل روسی فضائی دفاعی نظام نے راستے میں تباہ کیے، امریکہ انکار کر رہا ہے، لیکن اگر یہ خبر درست ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ روسی ٹیکنالوجی امریکہ کے مقابل یا قریب تر آ رہی ہے، سو یہ ایک بڑی خبر ہے، کیونکہ عالمی برتری کے لیے اقتصادی قوت اور سپر ٹیکنالوجی لازمی ہے، کیا روس اور چین مل کر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو اس میدان میں چیلنج دے سکتے ہیں، اس سوال کا جواب مستقبل کی عالمی قیادت کا تعین کرے گا۔

